سید احمد شہید اور ان کی تحریک

عبدالرؤف نوشہروی

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ و المستضعفین من الرجال و النساء و الولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا و اجعل لنا من لدنک نصیراً (النساء)

مغلیہ حکومت کے زوال کے ساتھ مرکزیت ختم ہوگئی۔ ریاستیں اپنی خودمختاری کا اعلان کرنے لگیں ۔ مرہٹے سر اٹھانے لگے۔ انگریز تاجروں کی نیت میں فتور آنا شروع ہوا، پنجاب میں سکھا شاہی زوروں پر تھی۔ غرض ہر طرف بے چینی بے اطمینانی اور بدنظمی کا دور دورہ تھا ۔ یاس اور ناامیدی کے اس تاریک دور میں اگر امید کی کوئی کرن نظر آتی تھی تو وہ شاہ ولی اللہ کی تحریک احیائے اسلام تھی ۔

شاہ ولی اللہ کی تحریک ۱۷۳۱ میں شروع ہوئی اس کے پورے سو سال بعد ان کے پوتے شاہ اسماعیل اور ان کے رفقاء نے جان کی بازی لگا کر نہ صرف اس تحریک کو دوام بخشا بلکہ جہاد فی سبیل اللہ کا عملی نمونہ پیش کیا۔

شاہ صاحب نے حدیث اور قرآن کی تعلیم اور اپنی شخصیت کی تاثیر سے صحیح الخیال اور صالح لوگوں کی ایک کثیر تعداد پیدا کردی ۔ پھر ان کے چاروں صاحبزادوں خصوصاً شاہ عبدالعزیز نے اس حلقہ کو بہت زیادہ وسعت دی، یہاں تک کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ہزاروں ایسے آدمی پھیل گئے جن کے اندر شاہ صاحب کے خیالات نفوذ کئے ہوئے تھے ۔ جن کے دماغوں میں اسلام کی صحیح تصویر اتر چکی تھی اور جو اپنے علم و فضل اور اپنی

عمدہ سیرت کی وجہ سے عام لوگوں میں نمایاں تھے۔ اس طرح اس تحریک کے لئے گویا زمین تیار ہورہی تھی جو بالآخر شاہ صاحب کے حلقے سے بلکہ یوں کہئے کہ ان کے گھر سے اٹھنے والی تھی اور اس طرح ۱۸۳۶ء میں یہ تحریک اس قابل ہوئی کہ ہند کے سرحدی علاقے میں شریعت کا نفاذ کر سکے۔ اس وقت تحریک کی قیادت سید احمد بریلوی کے ہاتھ میں تھی، جنگی اور سیاسی امور کا محکمہ شاہ عبدالعزیز کے برادر زادہ شاہ اسمعیل کے سپرد تھا۔ مولانا عبدالحی مشیر اعلیٰ تھے اور مولانا اسحق کے ذمے دہلی سے مالی امداد کی بہم رسانی اور مجاہدین کی جماعتیں تیار کرنے کا کام تھا۔

سید احمد شہید ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء کو رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن کھیل کود، ورزشی کھیلوں اور سپاہیانہ مشغلوں میں گذرا۔ ۱۷ سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، تلاش روزگار میں لکھنؤ ہوتے ہوئے دہلی پہنچے اور شاہ عبدالعزیز کے عقیدتمندوں میں شامل ہو گئے۔ سپاہیانہ صفات کی مناسبت سے شاہ عبد العزمز نے امیر خان والی ٹونک کی فوج میں بھرتی ہونے کا مشورہ دیا۔ امیر خان پٹھان سرداروں میں سے تھا سکھوں اور انگریزوں سے مخاصمت تھی مگر انگریز نے از روئے سیاست ۱۸۱۸ء میں امیر خان سے دوستی کا عہد و پیمان کیا۔ سید صاحب نے بددل ہوکر امیر خان کی ملازمت ترک کردی۔ مگر چھ سال کی اس فوجی تربیت کا فائدہ یہ ہوا کہ سید صاحب مروجہ فنون جنگ سے بخوبی واقف ہوگئے۔ فوج کی ملازمت کو خیرباد کہہ کر اصلاح رسوم، نکاح بیوگان اور ترک بدعات کی طرف متوجہ ہوئے۔ ۱۸۲۱ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ ۱۸۲۲ء میں واپسی ہوئی۔

پنجاب میں سکھوں کے جبر و ظلم، مسجدوں کی بے حرمتی، اذان پر پابندی وغیرہ کے واقعات سن کر ۱۸۲۶ء میں تلوار سنبھالی۔ کسی نے پوچھا(۱)

---

(۱) غلام رسول مہر، سید احمد شہید حصہ اول صفحہ ۴۹۵ - ۲۵۳

"آپ اتنی دور سکھوں سے جہاد کے لئے کیوں جاتے ہیں - انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں کیا دین اسلام سے منکر نہیں ہیں؟ گھر ہی گھر میں ان سے جہاد کرکے ہندوستان لے لیجئے یہاں لاکھوں آدمی آپ کے شریک اور مددگار ہو جائیں گے"، سید صاحب نے جواب دیا "کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے، سکھوں سے جہاد کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ ہمارے برادران اسلام پر ظلم کرتے اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی کے ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں - اگر سکھ اب یا ہمارے غلبے کے بعد ان حرکات مستوجب جہاد سے باز آجائیں گے تو ہم کو ان سے بھی لڑنے کی ضرورت نہیں رہے گی"

معلوم ہوا کہ آپ کا جہاد ملک و جاہ، قومی عصبیت یا کسی اور دنیاوی غرض کے لئے نہ تھا، بلکہ مقصود اعلائے کلمۃالحق تھا - بے جا نہ ہوگا اگر یہاں ایک عام غلط فہمی کا ازالہ کردیا جائے، عوام صرف کفار سے جنگ کو جہاد سمجھتے ہیں، اصطلاحاً اسے قتال کہا جاتا ہے جو کبھی کبھی پیش آتا ہے مگر جہاد کے معنی اعلائے کلمۃالحق میں کوشش کرنا ہے - یہ مدت دراز تک قائم رہتا ہے - اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں جہاد بالسیف صرف ایک ہے -

اس طرح یہ تحریک اصلاح رسوم سے شروع ہوکر قیام حکومت الٰہیہ کی طرف راجع ہوئی -

سید صاحب اپنا ما فی الضمیر شاہ ہرات کے نام ایک خط میں یوں بیان فرماتے ہیں(۲) "جہاد کی اجزا اور بغاوت اور فساد کو ختم کرنا ہر زمان و مکان پر حکم خداوندی رہا ہے - بالخصوص اس وقت جب کہ کافروں اور سرکشوں نے شورش برپا کی ہو دینی شعائر کو ترک کیے پہنچے اور اسلامی مملکتوں میں ابتری پھیلائی جارہی ہو - یہ فتنہ آج کل سندھ، ہند اور خراسان میں پھیلا

(۲) غلام رسول مہر-جماعت مجاہدین صفحہ

ہوا ہے۔ کفار کی سرکشی سے غفلت برتنا اور مفسدوں کی [illegible] سستی دکھانا قبیح گناہ ہے انہی وجوہات کی بنا پر بندہ وطن سے نکلا ہند [illegible] کا دورہ کیا اور وہاں مسلمانوں میں جہاد کی تبلیغ کرتا رہا۔ ،،

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں(۳) ''سلطنت ہفت کشور را بہ خیال ہم نئے آرم، وقتیکہ نصرت دین و استیصال کفر متمردین محقق گردید۔ گیز سعی من بہ ہدف مراد رسید۔ ،، یعنی جب نصرت دین کا دور شروع ہو جائے گا اور سرکشوں کی اقتدار کی جڑ کٹ جائے گی تو میرا مقصد پورا ہوجائے گا،،

— — — —

شاہ بخارا اور سردار بدھ سنگھ سالار افواج مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام خطوط سے اقتباس(۴) پیش خدمت ہے : ''خدا گواہ ہے ہمارا منشاء دولت جمع کرنا ہے نہ اپنی حکومت قائم کرنا۔ ہم خدائے بالا و برتر کے ناچیز بندے ہیں نہ بندگان خدا پر جبرو قہر کا کوئی وسوسہ ہمارے دل میں ہے اور نہ کسی کی حکومت چھین لینے کا کوئی جذبہ۔ ہمارا منشا وطن کو آزاد کرانا ہے اور بس اور یہ اس لئے کہ تقاضائے مذہب یہی ہے اور اسی میں رضائے مولیٰ متصور ہے،،

سید صاحب نے سرحد کو اپنا مرکز کیوں بنایا؟(۵)

۱ - سر حد کی پوری آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی اور عام تصور یہ تھا کہ اہل سرحد بڑے جنگجو اور جانباز ہوتے ہیں - نیز یہ ایک ایسا علاقہ تھا جو اسوقت تک انگریزوں کے تصرف سے باہر تھا۔

۲ - سرحد کے باشندے سکھوں کے ظلم اور یورش کا ہدف بنے ہوئے تھے - ان کے جذبات مجروح تھے اسلئے انہیں دفاع کے لئے منظم کرنا آسان تھا۔

---

(۳) مکاتیب شاہ احمد شہید صفحہ ۹۵۔

(۴) سید محمد میاں علمائے ہند کا شاندار ماضی، حصہ دوم صفحہ ۲۱۷

(۵) غلام رسول مہر سید احمد شہید حصہ اول صفحہ ۶۹۳

۳۔ ان کی آزادی چھنی نہ تھی، چھن رہی تھی۔ لہذا انہیں انگریزوں کی دستبرد سے بچانا ان لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ اہم تھا جن کی آزادی (انگریزوں کے ہاتھوں) بہت پہلے چھن چکی تھی۔

۴۔ سرحد کے شمال اور مغرب میں دور دور تک مسلم آبادیاں تھیں۔ ان سے امداد کی توقع کی جاسکتی تھی یا کم از کم مخالفت کا اندیشہ نہ تھا۔

۵۔ سرحد کی جغرافیائی حیثیت ایسی تھی کہ عقب یا اطراف و جوانب سے حملے کا خطرہ نہ تھا۔

۶۔ سید صاحب کی تحریک ابھی اس قابل نہ تھی کہ سکھ اور انگریز دونوں کا مقابلہ کرتی۔ سکھوں کا فتنہ دبانے کے بعد شاید وہ انگریز کی طرف متوجہ ہوتے۔ عقلاً سید صاحب کا یہ فیصلہ ہر اعتبار سے محکم اور صائب تھا۔ جو کچھ بعد میں پیش آنے والا تھا اس کا علم صرف خدائے عالم الغیب کو ہو سکتا تھا۔

— — — —

مجاہدین کے اس سفر کی مختصر روداد پیش خدمت ہے: سید صاحب کا قافلہ مارواڑ، سندھ، حیدرآباد ہوتا ہوا براستہ درہ بولان قندھار پہنچا۔ حاکم قندھار نے استقبال کیا تین سو غازی ساتھ کئے۔ قندھار سے یہ قافلہ براستہ غزنی کابل پشاور چارسدہ نوشہرہ پہنچا۔ اس وقت تک مجاہدین کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار ہوگئی تھی، ۸۰۰ مقامی ۵۰۰ ہندوستانی اور ۳۰۰ قندھاری۔ پہلا مقابلہ ۲۰ دسمبر ۱۸۲۲ء بمقام اکوڑہ ہوا، میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ مجاہدین مال غنیمت اکٹھا کرنے میں لگ گئے اس پر سکھوں نے دوبارہ حملہ کردیا۔ مجاہدین کو نوشہرہ پسپا ہونا پڑا۔ اس جنگ میں ایک ہزار تک سکھ مارے گئے شہداء کی تعداد(۶) ۸۲ تھی۔ اس فتح سے مجاہدین کے حوصلے

(۶) غلام رسول مہر، سید احمد شہید حصہ اول صفحہ ۳۴۸-۳۳

بہت بلند ہوئے۔ مقبوضہ علاقے میں شرعی قانون نافذ کیا گیا۔ پنجتار کے خادی خان اور ہنڈ کے اشرف خان نے مع اپنی جمعیت سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے ۳۰ ہزار سکھ فوج دوبارہ منظم ہوکر بمقام سیدو جمع ہوگئی۔ سید صاحب کے ساتھ خادی خان کے علاوہ باجوڑ کے امیر محمد خان اس کے بھائی سلطان محمد خان اور پیر محمد خان بھی تھے۔ اس جنگ کے دوران یار محمد کے ایما پر سید صاحب کو زہر دیا گیا۔ سید صاحب بیماری کی حالت میں میدان جنگ میں نکل آئے۔ یار محمد خان مع اپنی فوج دغا دے کر جدا ہوگیا۔ مجاہدین کے حوصلے پست ہوگئے اور فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔ یار محمد خان نے کیوں بے وفائی کی۔ بقول میسن(۷) جب یار محمد خان نے دیکھا کہ سید صاحب نے حاکمانہ حیثیت حاصل کرلی ہے تو اس کے دل میں وسوسے پیدا ہوگئے اور اس نے سکھوں کے ساتھ نام و پیام شروع کیا، رنجیت سنگھ کے روزنامچے میں جو عمدۃالتاریخ کے نام سے چھپا ہے تحریر (۸) ہے ''اٹک پار کے لوگوں کا بیان ہے کہ جب جنگ کی آگ بھڑکی تو یارمحمد خان نے رنجیت سنگھ کے ساتھ ربط و اتحاد کے پیش نظر سید صاحب کو زہر دے دیا اور خود بھاگ نکلنے کی ٹھان لی، اس کا لشکر بھی ساتھ فرار ہوگیا۔''

جنگ سیدو کے بعد یہ بات محقق ہو چکی تھی کہ اب مجاہدین کو دو حریفوں سے مقابلہ کرنا ہوگا ایک سکھ دوسرے سرداران پشاور جو اس دور کے غدار تھے۔ ادھر خادی خان جو سانیری کے زمین کے قضیے کے فیصلے کے باعث ناراض تھا کے بھی تیور بدلے ہوئے تھے۔ اور وہ بھی انتقام کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ اب یہ لوگ مجاہدین کے کھلے دشمن اور حریف بن گئے۔

---

(۷) میسن کلکتہ ریویو۔ بحوالہ مہر سید احمد شہید صفحہ ۲۹۹

(۸) اعجازالحق قدوسی۔ تذکرہ صوفیائے سرحد صفحہ ۸۰

اس واقعہ کے بعد سید صاحب علاقہ یوسف زئی گئے۔ لکھتے ہیں(۹)

"اس حادثے کے بعد فقیر نے یوسفزئی کے مختلف اضلاع چملہ، بونیر، سوات کا دورہ کیا۔ ان بستیوں کے مومنوں اور مسلمانوں کو بالمشافہ اقامت جہاد و ازالہ فساد کی ترغیب دی۔ افغانوں کے متعدد گروھوں مثلاً آفریدیوں، مہمندوں اور خلیلوں وغیرہ کو تحریری دعوت نامے بھیج کر اس سعادت عظمی کے حصول اور اس عبادت کبریٰ کی بجاآوری پر متوجہ کیا، الحمدللہ مومنین صادقین نے اس دعوت کو قبول کرلیا۔"

اس جنگ کے بعد وقتی طور پر امن ھوا تو سید صاحب انتظامی امور کی طرف متوجہ ھوئے۔ اسلامی علاقے میں شرعی قانون کا نفاذ کیا گیا۔ کاشتکاروں سے پیداوار کا دسواں حصہ یعنی عشر وصول کیا جانے لگا۔ مگر اس دوران خادی خان ناراض ھوکر سکھوں سے جا ملا اس کی رائے تھی(۱۰) "ھم پٹھان رموز مملکت جانتے ھیں یہ ملا جو ھماری خیرات اور سقاط کھاتے ھیں ریاست کا شعور نہیں رکھتے" اس کے علاوہ بقول فتح خان پنجتاری "صدیوں پرانی رسومات و بدعات کو یکسر ترک کرنے کے سوال پر سید صاحب اور مقامی پٹھانوں میں اختلاف رونما ھوا" اس طرح خادی خان بھی مخالفت میں صف آرا ھوگیا۔ بالآخر لڑتا ھوا مارا گیا۔

خادی خان کی موت کے بعد اس کے بھائی امیر خان نے یارمحمد خان سے امداد مانگی اس وقت احمد خان رئیس ھوتی بھی باغی ھوگیا مگر شکست کھائی سید صاحب نے سرداری اس کے بھائی رسول خان کے حوالے کردی۔ اپنی معزولی کے بعد احمد خان نے پشاور جاکر سلطان محمد خان سے مدد مانگی، وہ بھی مقابلے کے لئے نکلا۔ سید صاحب نے اسے ایک پیغام بھیجا کہ ھمارا جہاد سکھوں کے خلاف ھے مسلمانوں کے خلاف نہیں مگر وہ نہ مانا مقابلہ ھوا

---

(۹) اعجازالحق قدوسی۔تذکرہ صوفیائے سرحد صفحہ ۵۰۸

(۱۰) غلام رسول مہر۔ سید احمد شہید۔ جلد دوم صفحہ [illegible]

سلطان محمد خان نے شکست کھائی۔ معافی کا خواستگار ہوا۔ سید صاحب نے پشاور کی سرداری اسے لوٹا دی۔ بعض کے نزدیک یہ سید صاحب کی ایک سیاسی غلطی تھی۔

پشاور کی فتح کے بعد یہاں بھی شریعت کا باقاعدہ نفاذ کیا گیا۔ شراب وغیرہ بند کردی گئی، نکاح بیوگان و غیر شادی شدہ جوان لڑکیوں کی شادی کا فوری انتظام کیا گیا۔ خاندانی اونچ نیچ سے قطع نظر نیز غریب الوطن ھندوستانی مجاہدین کے ساتھ مقامی لڑکیوں کی شادی سے یہاں کے لوگوں میں بد دلی پھیل گئی مثلاً خویشگی کے خان کی بیوہ لڑکی کی شادی سید صاحب نے اپنے ایک ھندوستانی مجاھد سے کرادی جس سے اس کی خود پسندی کو ٹھیس لگی۔ اس طرح اگرچہ بظاھر امن تھا مگر اندر ھی اندر آگ سلگ رھی تھی۔ پہلے عشر مولویوں کو ملتا تھا۔ اب بیت المال میں جانے لگا۔ اس لئے مولوی بھی نئے نظام سے بددل تھے لہذا سب سازشیوں نے مل کر ایک مقررہ رات کو ملک کے طول و عرض میں بے شمار مجاھدین کو جبکہ وہ بے خبر سو رہے تھے شہید کردیا۔ مولوی خیرالدین شیر کوٹی کسی طرح بچ کر پنجتار پہنچے، سید صاحب کو حالات سے آگاہ کیا۔ سید صاحب بہت ھي بددل ھوئے، علاقہ سوات میں بھی مخالفت پیدا ھوچکی تھی اس لئے پکھلی جانے کا ارادہ کیا، راج دلاری پہنچے، بھوگڑ منگ اور مظفر آباد کو سکھوں کے پنجے سے نکالا اور بالاکوٹ کو زیر تصرف لائے، اطلاع ملی کہ راجہ شیر سنگھ درہ بھوگڑ منگ پر حملہ کا ارادہ رکھتا ہے۔ شاہ اسمعیل اس وقت بالاکوٹ میں تھے۔ اطلاع موصول ھوتے ھی بالاکوٹ کو سردار حبیب اللہ کی حفاظت میں چھوڑ کر درہ بھوگڑ منگ کی طرف چل پڑے۔ راجہ شیر سنگھ نے بالاکوٹ خالی پاکر ادھر کا رخ کیا۔ گڑھی حبیب اللہ کا راستہ مجاھدین کے قبضہ میں تھا مگر چند مقامی لوگوں نے سکھوں کو ایک پہاڑی راستے کی نشاندھی کردی۔

اسی طرح سکھ مٹی کوٹ کے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ مقابلہ شروع ہوا۔ بالآخر سید صاحب مولانا اسمعیل اور سینکڑوں مجاہد شہید ہوئے۔ جو باقی بچے وہ ایسے منتشر ہوئے کہ شہیدوں کی تجہیز و تکفین بھی نہ کر سکے۔ تاریخ حریت کا یہ وحشتناک حادثہ ۲۶ ذیقعد ۱۲۴۶ھ مطابق ۷ مئی ۱۸۳۱ء بروز جمعہ قبل از دوپہر پیش آیا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۴۵ سال اور شاہ اسمعیل کی عمر ۵۳ سال تھی۔ تحریک بظاہر ختم ہوگئی۔ سانحہ بالا کوٹ نے مسلمانوں کی کمر ہمت توڑدی، دو سال بعد جب انگریزوں کو یقین ہوگیا کہ یہ تحریک ختم ہوچکی ہے تو وہ تجارت کا لبادہ اتار کر سکھوں کی جگہ حاکم بن بیٹھے۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را   چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

مگر انگریزوں کو خوش‌فہمی تھی۔ تحریک ختم نہ ہوئی تھی مجاہدین نے شمالی ہند میں جذبۂ انتقام کے جو شعلے بھڑکا دئے تھے وہ خون شہادت کے چھینٹوں سے سرد ہونے والے نہ تھے۔ در اصل ع اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔

بقول ہنٹر(۱۱) اب یہ تحریک کسی رہنما کی موت و حیات سے مستغنی ہو گئی تھی،، تحریک اپنا کام کرچکی تھی۔ مسلمانان ہند کے خیالات کا جمود ٹوٹ چکا تھا۔ مجاہدین جہاں بھی گئے انہوں نے وہاں اپنا کام جاری رکھا۔ کچھ مجاہدین مولوی محمد قاسم کی سرکردگی میں ستھانہ پہنچے اور شاہ عبدالعزیز کے پوتے مولوی محمد اسحق داماد مولانا نصیرالدین کو جب وہ دھلی سے ستھانہ پہنچے اپنا امیر منتخب کرکے پرانی تحریک میں نئی روح پھونک دی۔ بقول(۱۲) ہنٹر ''مذہبی دیوانوں کا مقصد فوت ہوتا نظر آرہا تھا لیکن پٹنہ کے خلیفوں نے اس مقدس جھنڈے کو زمین سے اٹھا لیا۔ انہوں نے سارے ہندوستان کو اپنے کارکنوں سے بھر دیا اور ایک بہت بڑا دینی احیا جو کبھی واقع ہوا رونما ہوا۔''

(۱۱) ہنٹر- ہمارے ہندوستانی مسلمان صفحہ ۴۳

(۱۲) قیام الدین- ہندوستان میں وہابی تحریک صفحہ ۲۲۲

غرض سر نگون جھنڈے کو دوبارہ سر بلند کیا گیا جو نصف صدی سے زیادہ تک لہراتا رہا اور ہزاروں پاک نفوس اس کی عظمت اور غیرت پر قربان ہوتے رہے۔ مختصر یہ کہ ہجرت، جہاد، تن من دھن کی قربانی اور شہادت کی جو رسم سید صاحب اور ان کے ساتھیوں نے جاری کی تھی وہ ایک لمحہ کے لئے بھی موقوف نہیں ہوئی۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

خالصہ حکومت تو چند سال بعد صفحہ ہستی سے ناپید ہوگئی مگر اس کے جانشین انگریزوں کے لئے یہ تحریک نصف صدی تک وبال جان بنی رہی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی ان مجاہدین نے بھر پور حصہ لیا۔ اس لئے انگریز بھی ان بچے کھچے مجاہدین کو ختم کرنے کے درپے ہوئے۔ امبیلہ اور کوہ سیاہ کی جنگیں ہوئیں۔ مگر پھر بھی وہ تحریک کی مکمل بیخ کنی نہ کر سکے، بلکہ بالاکوٹ کی ظاہری شکست میں فتح کا راز مضمر تھا جو بعد میں آزادیٔ ہند اور قیام پاکستان کی صورت میں رونما ہوا۔

تحریک کی ناکامی کے اسباب :

کسی مجددانہ تحریک کی ناکامی کے اسباب و علل پر بحث کرنا بزرگوں کی عقیدتمندی کے خلاف ہے۔ لیکن اگر ان کی نشان دھی کردی جائے تو تجدید دین کے کام میں احتیاط برتی جاسکتی ہے۔

۱۔ یہ تحریک اعلائے کلمۃالحق اور مسلمانان ہند کو غیروں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے شروع کی گئی تھی۔ شروع میں خاصی کامیابی ہوئی مگر پٹھان صدیوں پرانے رسم و رواج چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس کے علاوہ مفاد پرست مولویوں کے اثر و رسوخ کو خطرہ لاحق تھا۔ لہذا ان کی طرف سے مخالفت ایک قدرتی امر تھا۔

۲۔ عملی انقلاب سے پہلے ذہنی انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر سید صاحب کو اس کا موقع نہ ملا۔ احکام شرعی کا یکمشت نفاذ اور ان پر سختی سے عمل پیرا ہونے سے لوگوں کی اکثریت جو ضعیف الایمان تھی باغی اور روگردان ہوگئی۔

۳۔ قبائل(۱۳) عموماً دین و مذہب یا کسی عظیم تر تخیل سے زیادہ نسلی رشتوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان میں سوائے معدودے چند کے کبھی وہ بے غرضانہ للھی گرم جوشی نہیں دیکھی گئی جس سے مجاہدین سر شار تھے۔ اس لئے یہ تحریک یہاں جڑ نہ پکڑ سکی بلکہ تاحیات ہندوستانی مرکز کی محتاج بنی رہی۔ جو انگریزی عملداری میں ہونے کے سبب کلیۃً ان کے رحم و کرم پر تھی۔

۴۔ سید صاحب علاقہ سرحد میں نووارد تھے۔ یہاں کے رسم و رواج، روایات، دوستی اور دشمنی کے تقاضوں سے ناواقف تھے۔ مقامی خوانین سے برسرپیکار رہنے کا ایک سبب یہ بھی تھا۔

۵۔ سید صاحب کے مقرر کردہ قاضیوں اور محاسبوں کی نیت اور دین داری میں اگرچہ شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی مگر وہ عوام کا اعتماد حاصل نہ کر سکے، مقامی بولی سے نابلد تھے۔ لہذا ہندکی یا ہندوستانی ہی رہے۔ قرن اول کی طرح مہاجر و انصار کا رشتہ استوار نہ ہوسکا۔

۶۔ سید صاحب کے ساتھیوں کو ملکی نظم و نسق کا تجربہ نہ تھا۔ خلافت کے متعلق ان کی معلومات صرف کتابی تھیں، بقول اولف کیرو(۱۴) "ایک مفتوحہ علاقہ اپنے زیر اثر رکھنے کے لئے جس مسلسل کوشش کی ضرورت ہوتی ہے وہ قابلیت ان لوگوں میں مفقود تھی۔"

---

(۱۳) قیام الدین۔ ہندوستان میں وہابی تحریک ص ۳۶۲

(۱۴) اولف کیرو دی پٹھان ص ۳۰۹

ہے۔ سرحد کے خوانین اکثر آپس میں برسر پیکار رہتے تھے۔ بعض ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے سید صاحب کی حمایت یا مخالفت کرتے۔ اس کے علاوہ مقامی لوگ جہاد کے تقاضوں سے ناواقف تھے، وہ محض لوٹ مار کے لئے شامل قتال ہوئے تھے۔

۸۔ مسلمانوں کی سیاسی تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کی کسی تحریک کی ناکامی میں بہ نسبت بیرونی مخالفین کے اندرونی سازشوں کا زیادہ دخل رہا ہے یہی صورت یہاں بھی تھی۔

هر کس از دست غیر مے نالد سعدی از دست خویشتن فریاد

باین همه تحریک کے سبب کئی سماجی اور مذہبی اصلاحات رونما ہوئیں۔ مثلاً نکاح بیوگان، ترک بدعات، رسومات، قبر پرستی، میراث میں لڑکیوں کا حصہ، ہجرت و جہاد کا احیا اور سیاسی بیداری کا پیدا ہونا وغیرہ۔

سید صاحب کی شہادت کے بعد تحریک دو حصوں میں بٹ گئی۔ حنفی مسلک نے دہلی میں سیاسی جماعت کی شکل اختیار کی یعنی تحریک کا سیاسی پہلو مذہبی رخ پر غالب رہا اور اس کی تاریخ پر چھا گیا۔ جب کہ دوسرا مرکز صادق پور پٹنہ میں قائم ہوا جہاں انہوں نے سید صاحب کے طریق کار اور نصب العین کو سامنے رکھا۔ انہوں نے ہجرت، جہاد اور تن من دھن کی قربانی کو اپنا نصب العین بنائے رکھا۔

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

جدید نظریہ :

انگریزی دور میں لکھے ہوئے تذکروں نے سید صاحب کی تحریک احیائے جہاد کو صرف سکھوں تک ہی محدود رکھا ہے مگر ایک نیا نظریہ جس کی

طرف مہر(۱۵) صاحب نے بھی سرسری اشارہ کیا ہے یہ بھی لکھا ہے کہ سید صاحب دراصل انگریزوں کو ملک سے نکالنا چاہتے تھے۔ انگریزوں نے خطرے کو تاڑ کر ڈپلومیسی سے کام لیا۔ اور سکھوں کو سید صاحب کے ساتھ الجھادیا تاکہ دونوں کی طاقت زائل ہو اور اس طرح انگریزوں کیلئے قدم جمانا آسان ہوجائے۔

بقول سید محمد میاں(۱۶) سید صاحب کا اصلی منشا چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط و اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا۔ اس لئے انھوں نے ہندوؤں کو بھی دعوت دی اور انھیں صاف بتادیا کہ انکا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی اس سے سید صاحب کو کوئی غرض نہیں، جو اس کے اہل ہوں خواہ ہندو ہوں یا مسلمان حکومت کریں گے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں گوالیار کے مدارالمہام اور مہاراج دولت راؤ سندھیا کے وزیر اور برادرنسبتی راجہ ہندو راؤ کو لکھا ہوا خط(۱۷) پڑھنے کے قابل ہے۔

"جناب کو خوب معلوم ہے کہ وہ بیگانے اور اجنبی جو وطن عزیز سے بہت دور کے رہنے والے ہیں دنیا جہاں کے بادشاہ بن بیٹھے ہیں سودا بیچنے والے دوکاندار بادشاہت کے درجۂ تک پہنچ گئے ہیں۔ بڑے بڑے امیروں کی امارت اور بلند مرتبہ رؤسا کی ریاست کو برباد کردیا ہے اور ان کی عزت اور انکا اعتماد بالکل ختم کر دیا ہے" آگے لکھتے ہیں: "چونکہ وہ لوگ جو ریاست اور سیاست کے مالک تھے وہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ گئے ہیں لاچار چند بے سرو سامان فقیر کمر ہمت کس کر کھڑے ہوگئے۔ کمزوروں کی یہ جماعت محض اللہ کے دین کے تقاضے سے اس خدمت کے لئے کھڑی ہوگئی ہے۔ یہ لوگ

---

(۱۵) غلام رسول مہر سید احمد شہید حصہ اول ص ۲۸۰

(۱۶) سید محمد میاں علمائے ہند کا شاندار ماضی ص ۱۸ - ۲۱۷

(۱۷) ایضاً ص ۱۸ - ۲۱۷

جاہ طلب دنیا دار نہیں ہیں بلکہ ایک مذہبی اور اخلاقی فرض سمجھ کر اس خدمت کے لئے اٹھے ہیں،،

جس وقت ہندوستان کا میدان ان غیر ملکی دشمنوں سے خالی ہو جائے گا اور ہماری کوششوں کا تیر مراد کے نشانے تک پہنچ جائے گا، حکومت اور منصب ان کے سپرد ہوں گے جو ان کے مستحق ہوں گے اور انہی کی شوکت اور عظمت کی جڑیں مضبوط کی جائیں گی ، ہم کمزوروں کو بڑے بڑے علماء رؤسا اور بلند مرتبہ عمائدین سے صرف اتنی بات درکار ہے کہ اہل اسلام کو ان کا دلی تعاون حاصل رہے اور مسند حکومت ان کو مبارک ہو۔،،

— — — —

ریاست گوالیار کے ایک مسلمان عہدیدار غلام حیدر خان (۱۸) کو تحریر فرماتے ہیں ''اس صورت میں مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ سردار والا قدر راجہ ہندو راؤ کو یہ بات سمجھائیں کہ ہندوستان کا بہت بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضہ میں پہنچ گیا ہے۔ ان لوگوں نے ہر جگہ ظلم و جبر کی بنیاد قائم کردی ہے، رؤسائے ہند کی ریاست برباد ہوگئی ہے۔ کوئی شخص مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بلکہ ہر شخص ان کو اپنا آقا تصور کرتا ہے۔ چونکہ بڑے بڑے صاحبان ریاست ان کے مقابلے کا خیال ترک کرکے بیٹھ گئے ہیں ناچار چند کمزور اور ناچیز کمر کس کر کھڑے ہوگئے۔ پس اس صورت میں رؤسائے عالی مرتبت پر لازم ہے کہ جس طرح وہ سالہا سال مسند حکومت پر متمکن رہے فی الحال ان کمزور فداکاروں کی امداد میں پوری پوری کوشش کریں اور اس کو خود اپنی حکومت کا ذریعہ سمجھیں ۔،،

ان خطوط سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سید صاحب حکومت و اقتدار کے بھوکے نہ تھے۔ فتح پشاور کے بعد پشاور کی واپسی اس کا بین ثبوت ہے۔ انہوں نے اپنا اقتدار بس یہیں تک محدود رکھا کہ قاضی اور محتسب مقرر کئے اس کے

(۱۸) ایضاً ص ۲۲۰

علاوہ رنجیت(۱۹) سنگھ کی پیش کش کہ سندھ پار کے علاقہ میں ان کو آزاد ریاست عطا کردی جائے گی اس کو بھی انھوں نے ٹھکرادیا۔ لہذا ان کا عزم کسی ریاست کا حصول نہ تھا بلکہ اس سے بہت اعلی و ارفع۔ لیکن لے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ افسوس عارضی حکومت پائیدار حیثیت اختیار نہ کرسکی۔

مخالفین اور وجہ مخالفت :

حکومت الھیہ کے قیام کے راستے میں تین طاقتیں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔ سکھ، برگشتہ مسلمان اور انگریز۔ پہلی دو طاقتیں یعنی سکھ اور مقامی خوانین جو میدان جنگ میں کھلم کھلا اتر آئے تھے کا مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا، مگر تیسری طاقت نے پراپیگنڈہ کا ایک ایسا حربہ استعمال کیا جس کا جواب سید صاحب کے پاس شکست اور شہادت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس طاقت نے تحریک تجدید جہاد کو نجد کی تحریک وھابیت(۲۰) کی صدائے بازگشت بنا کر پیش کیا جس سے حنفی مشرب رکھنے والے پٹھانوں کو جن کے تعاون سے اس علاقے میں یہ عارضی حکومت کامیاب ہوسکتی تھی سید صاحب کا دشمن بنا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وھابیت کے الزام نے اس تحریک کو وہ نقصان پہنچایا جو نہ سکھوں کی ٹڈی دل فوج پہنچا سکی اور نہ ھی سرداران پشاور کی قوت یہ کام کر سکی۔ اس الزام کی بدولت مسلمانوں ھی کے ھاتھوں جماعت مجاھدین کے ایک بڑے اور اھم حصے کو ایک ھی رات میں تمام کردیا۔

مشہور کیا گیا کہ سید صاحب ۱۸۲۲ء میں جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو وھابی مبلغین سے متاثر ہوکر ھندوستان کے لئے وھابیت کا تحفہ لے کر آئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سید صاحب وھابیوں کے حجاز سے اخراج کے دس سال بعد حج کے لئے گئے تھے۔ تاریخ شاھد ہے کہ وھابی ۱۸۱۲ء میں

---

(۱۹) سید محمد میاں۔علمائے ھند کا شاندار ماضی ص ۲۰۴

(۲۰) سید ابو الحسن علی ندوی۔سیرت سید احمد شہید [illegible]

مجاز سے حکایۃ سے دخل کر دئے گئے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جس کے متعلق انگریز مورخین بلکہ خود ڈاکٹر ھنٹر کی رائے(۲۱) یہ ہے کہ ۱۸۲۲ء سے ۱۸۲۰ء تک کوئی وھابی مکہ کی سڑکوں پر اپنی جان کے خطرے کے بغیر چل نہیں سکتا تھا،، پھر یہ کیسے سمجھ میں آسکتا ہے کہ وھاں اس قسم کی سازش ھوئی ھوگی۔ اس کے علاوہ ان دو تحریکوں میں بڑا اصولی فرق ہے۔ عبدالوھاب نجدی کے پیرو وھابیوں کی کشمکش مسلمانوں سے تھی۔ مگر مجاھدین کی کفار سے۔،،

سید صاحب کا مسلک ھمہ گیر تھا ۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ جماعت دو گروھوں پر مشتمل تھی جنہیں متحد رکھنے میں سید صاحب مدت العمر ساعی رہے۔ ان میں ایک گروہ کے سردار مولوی کرامت علی جونپوری تھے جو اھل سنت والجماعت کا طریقہ رکھتے تھے۔ اور دوسرے گروہ کے سر خیل شاہ اسمعیل تھے جو چاروں اماموں کی تقلید سے آزاد تھے اور براہ راست حدیث کو اپنا ماخذ قرار دیتے تھے۔ خود سید صاحب عمل کے اعتبار سے حنفی تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ مولوی اسمعیل کی جماعت کی سر پرستی بھی کرتے تھے جو اپنے آپ کو محمدی کہتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سید صاحب عقاید کی موشگافیوں اور جزوی اختلافات سے بہت اونچے تھے اور مسلمانوں میں حقیقی مذھبی روح پھونکنے میں منہمک رھتے تھے جس کی وجہ سے آپ کی طرف ھر فرقے اور ھر عقیدے کے لوگ برابر کھنچے چلے آتے تھے۔ حنفی مسلک کے بارے میں وہ خود ایک خط(۲۲) میں لکھتے ھیں ”یہ فقیر اور اس کا خاندان ھندوستان میں گمنام نہیں ھر خاص و عام اس فقیر کو اور اس کے بزرگوں کو جانتے ھیں اور ان کو معلوم ہے کہ فقیر کا مذھب باپ دادا کے وقتوں سے حنفی رھا ہے اور اس وقت بھی فقیر کے تمام اقوال اور اعمال احناف کے اصولوں

---

(۲۱) سید طفیل احمد منگلوری ۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۹۳

(۲۲) سید ابو الحسن علی ندوی ۔ سیرت احمد شہید ص ۲۱۸ - ۲۱۹

اور حوالے کے مطابق اہمیت اور کوئی ایک بھی اس دائرہ سے باہر نہیں ... بعد کے یورپین مورخین(۲۳) نے تو اور بھی حد کردی۔ ان کے نزدیک "ایران کی بہائیت افریقہ کی سنوسیت، سید جمال الدین افغانی کی تحریک اتحاد عالم اسلامی (پان اسلام ازم) اور ہندوستان میں سید صاحب کی تحریک سب آتش تجد کی اڑی ہوئی چنگاریاں یا اس خرمن کے اڑے ہوئے دانے ہیں۔ جو عالم اسلام کی مختلف زمینوں پر پڑ گئے۔"

سید صاحب کا اصلی مد مقابل کون تھا سکھ یا انگریز۔ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لئے اگر سید صاحب کی تحریک کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو بے جا نہ ہوگا :

۱ ۔ شمال مغربی سرحد میں آزاد حکومت قائم کرنے کے بعد اعلانیہ(۲۴) شائع کیا گیا تھا "کسی مسلمان حاکم سے ہمارا جھگڑا ہے، نہ کسی مسلمان رئیس سے مخالفت نہ غیر مسلموں سے مقابلہ ہے، اور نہ مدعیان اسلام سے۔ ہماری جنگ صرف لمبے بالوں والوں سے ہے نہ کہ کلمہ گو اور طالبان اسلام سے اور سرکار انگریزی سے بھی ہماری مخاصمت نہیں کیونکہ ہم اس کی رعایا ہیں اور اس کی پناہ اور حفاظت میں مظالم سے محفوظ ہیں،" اس کے علاوہ سید صاحب کا سکھوں سے جہاد کے لئے سرحد جانے کے لئے جواز (۲۵) یعنی یہ کہ "وہ برادران اسلام پر ظلم کرتے ہیں، اذان وغیرہ فرائض منصبی ادا کرنے میں مزاحم ہوتے ہیں اور سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی نہ ان کو عبادت سے روکتی ہے۔"

غرض اس قسم کے حوالوں کی بنا پر مولانا تھانیسری مصنف سوانح احمدی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سید صاحب کی مد مقابل

---

(۲۳) سید ابو الحسن علی ندوی۔ سیرت احمد شہید ص ۴۳۲
(۲۴) سید محمد میاں۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی حصہ دوم ص ۲۷۳
(۲۵) غلام رسول مہر۔ سید احمد شہید [illegible]

سکھ حکومت ہی تھی۔ مصنف روشن مستقبل سید طفیل احمد نے سوانح احمدی کی تقلید کی ہے اور کسی قدر محتاط انداز میں(۲۶) لکھا ہے: ”پنجاب میں مسلمانوں کے مذہبی اور بنیادی حق میں صریح دست اندازی ہوتی تھی، جس کی مدافعت کے لئے سید صاحب نے سکھوں پر جہاد کا ارادہ کیا،“ اس سے پہلے انھوں نے پرنسپل گریفن اور ڈاکٹر ہنٹر کی رائے نقل کی ہے(۲۷) ”گریفن کہتا ہے کہ ہزارہ کے گورنر ہری سنگھ نلوہ کے سخت برتاؤ اور مسلمانوں سے سخت نفرت کی وجہ سے وہاں مذہبی بلوے شروع ہوگئے تھے،“ اور ہنٹر کے خیال میں ”سکھوں کے ہندوانہ تعصب نے شمالی ہند کے مسلمانوں کے جوش کو بھڑکا کر آگ کا ایک شعلہ اٹھا دیا تھا،“۔

مگر بقول سید محمد میاں سید صاحب کی پوری تحریک کا مد مقابل انگریز تھا کیونکہ :

۱۔ سید صاحب اس تحریک کے بانی نہیں بلکہ اس جماعت کی فوجی تنظیم کے کمانڈر ہیں جو شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ اصولوں پر قائم ہوئی اور شاہ عبدالعزیز کی رہنمائی میں ارتقائی منازل طے کرتی رہی۔ شاہ عبدالعزیز ۱۸۰۶ء میں انگریزوں کے خلاف اعلان(۲۸) جنگ کرچکے تھے وہ ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کو ایک مذہبی فریضہ۔ جناب سید سلیمان ندوی سیرت احمد شہید پر رائے لکھتے ہوئے فرماتے ہیں(۲۹) ”اس مجددانہ کارنامے کی تاریخ لوگوں کو یہاں تک معلوم ہے کہ ان مجاہدین نے سرحد پار جاکر سکھوں سے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے، حالانکہ یہ واقعہ اس پوری تاریخ کا صرف ایک باب ہے۔“

۲۔ خود سید صاحب امیر علی اور جسونت راؤ ہلکر کے ساتھ مل کر

---

(۲۶) سید طفیل احمد ۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۱۱
(۲۷) سید محمد میاں ۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی حصّہ دوم ص ۲۰۷ تا ۲۴۷
(۲۸) ایضاً
(۲۹) سید ابو الحسن علی ندوی ۔ سیرت احمد شہید ص ت

تقریباً چھ سال تک انگریزوں سے بر سر پیکار رہے۔ اس لئے آپ کا تعلق انگریزوں کے مخالفین دولت راؤ سندھیا سے آخر تک قائم رہا۔ نواب امیر علی والی ٹونک کی ملازمت سے علیحدہ ہونے کا سبب بھی انگریزوں سے معاہدہ ہی تھا۔ آپ نے امیر خان کو بتایا(۳۰) "میرا کہنا مانئے تو ان سے لڑیے اور ہرگز نہ ملئے۔ ملنے کے بعد آپ سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ یہ کفار بڑے دغاباز اور مکار ہیں۔ کچھ آپ کے واسطے جاگیر اور تنخواہ مقرر کرکے کہیں بٹھا دیں گے کہ روٹیاں کھایا کیجئے۔" مگر نواب صاحب انگریزوں سے ملنا ہی مصلحت سمجھتے تھے اس لئے آپ نے امیر خان کی ملازمت ترک کردی۔

۳۔ سید صاحب نے راجہ ہندو راؤ وزیر ریاست گوالیار اور غلام حیدر خان منصبدار ریاست گوالیار کو جو خطوط(۳۱) لکھے ہیں۔ وہ پہلے بیان ہو چکے اس میں خود اپنے قلم سے اپنے جہاد کا نصب العین بیان کر دیا ہے "بیگانگان بعیدالوطن اور تاجران متاع فروش کو نکال کر مناصب ریاست و سیاست ان اہل وطن کے سپرد کئے جائیں جو ان کے مستحق ہیں۔"

۴۔ ایک کھلی ہوئی شہادت جس کی تردید نہیں کی جاسکتی وہ سید صاحب کے جانشینوں کا عمل ہے۔ سکھوں کی حکومت ۱۸۴۶ میں ختم ہو چکی تھی۔ ۱۸۴۹ تک پنجاب کا الحاق سلطنت انگلشیہ سے مکمل ہو چکا تھا۔ اس وقت چاہئے تھا کہ سید صاحب کے جانشینوں کا کیمپ جو سرحد پار میں تھا بند کردیا جاتا۔ مجاہدین خدا کا شکر ادا کرتے کہ ان کا دشمن ختم ہوا اور انگریزوں کا پرچم لہرانے لگا۔ لہذا سید صاحب کی یہ جماعت اگر انگریزوں کی وفادار رعایا تھی تو وفاداری کے اظہار کا یہ بہترین موقع تھا مگر اس کے برعکس یہ وفادار بے نقاب ہوکر سامنے آئے اور انگریزوں کی مخالفت میں پہلے سے بھی زیادہ سخت ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہ انگریزی عملداری میں رہنا بھی پسند

(۳۰) ایضاً ص ۶۳
(۳۱) سید محمد میاں۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی ص [illegible]

نہیں کرتے تھے بلکہ سرحد پار اپنا محاذ قائم کرکے انگریزی حکومت کو پریشان کرتے رہے۔ انگریزی فوج پوری قوت سے ان کو بار بار کچل ڈالتی مگر وہ گر کر پھر ابھرتے اور انگریزی اقتدار کے راستے میں سینہ سپر ہوجاتے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک انگریز ہندوستان سے رخصت نہ ہوگئے۔

۵۔ ڈاکٹر ہنٹر کا مندرجہ ذیل بیان(۳۲) بھی قابل غور ہے "سفر حج سے پہلے جو چیز سید صاحب کی نظر میں محض خواب و خیال تھی اب وہ ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی جس میں انھوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا گاڑتے اور صلیب کو انگریزوں کی لاش کے نیچے دفن ہوتے دیکھا۔

۶۔ سکھوں کی حکومت تو پنجاب میں تھی۔ بنگال میں تو اسی نوے سال سے انگریزی حکومت چلی آتی تھی پھر کیا وجہ تھی کہ جیسے ہی سید صاحب نے علاقہ سرحد میں جہاد کا نعرہ بلند کیا سید صاحب کا مرید خاص تیتو میاں انگریزی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کردیتا ہے" ۱۸۳۰ میں جب مجاھدین سرحد نے پشاور پر قبضہ کر لیا تو تیتو میاں اس قدر بے دھڑک ہوگیا کہ اس نے اپنا نقاب اتار پھینکا اور کسانوں کی پرجوش بغاوت کا رھنما(۳۳) بن گیا۔

۷۔ کپتان کنگھم تاریخ سکھ میں لکھتا ہے "سید احمد صاحب کے عمل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کافروں سے ان کی مراد صرف سکھ تھے لیکن ان کے مقاصد صحیح طور پر نہیں سمجھے گئے وہ انگریزوں پر حملہ کرنے میں محتاط تھے۔ لیکن ایک وسیع اور آباد ملک پر ایک دور دراز ملک کا اقتدار ان کی مخالفت کا کافی سبب تھا۔"

---

(۳۲) ہنٹر۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۸۹
(۳۳) سید محمد میاں شاندار ماضی حصہ دوم ص ۸۴

تھی۔ مولانا عبیداللہ سندھی(۳۴) کا یہ فقرہ بھی ہماری اس رائے کی تصدیق کرتا ہے "ایسٹ انڈیا کمپنی ڈیڑھ سو برس سے سیاسی اقتدار حاصل کر رہی تھی۔ مگر اب تک اس نے تجارتی لباس میں مستور رہنا ضروری سمجھ رکھا تھا۔ واقعہ بالاکوٹ سے دو سال بعد ۱۸۳۳ء میں یک لخت تجارت کا لبادہ اتار کر وہی حکومت کی مالک بن جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد بہادر شاہ کا سکہ موقوف ہو کر کمپنی کا سکہ رائج ہو جاتا ہے۔

دراصل سید صاحب کے جہاد کی یہ تاویل ایک عرصہ بعد اس لئے کی گئی کہ سید صاحب سے تعلق رکھنے والے انگریزی مظالم کا نشانہ بننے نہ پائیں چنانچہ تمام مروجہ تذکروں اور ان کے ماخذوں سے وہ حصے خارج کر دئے گئے جن سے انگریزوں کی مخالفت کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا محمد جعفر تھانیسری (مصنف سوانح احمدی) سید صاحب کے مکتوبات (۳۵) نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں "مکتوبات کے اس سلسلے میں مولانا اسمعیل کے بہت سے خطبے (تقریریں) روز مرہ کار روائی کی رپورٹیں نیز رؤسا اور خوانین کے بہت سے خطوط میں نے خارج کردئے ہیں۔ اس تمام مجموعے سے صرف ساٹھ مکتوبات لئے ہیں" ایک اور جگہ فرماتے ہیں مختلف مولفوں کے تقریباً ۴ هزار صفحات میرے سامنے میز پر موجود ہیں اردو زبان کے بھبکے میں رکھ کر سب تازی اور شیرازی پھولوں کا عطر کھینچ لیا ہے۔" اب اس بھبکے میں سے نکلے ہوئے خطوط اور بیانات سے برطانوی حکومت کی مخالفت کی بو کیسے آسکتی ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی ایسے سینٹ کی آمیزش کردی جائے جس سے وفاداری کی مہک آتی ہو چنانچہ اعلام نامہ کا یہ فقرہ(۳۶) "نہ بر سرکار انگریزی مخاصمت داریم۔ نہ هیچ راہ تنازعت کہ از رعایائے او هستیم و بہ حمایتش از

---

(۳۴) ایضاً ص ۲۷۶

(۳۵) ایضاً ص

(۳۶) جعفر تھانیسری سوانح احمدی ص ۲۴۲ بحوالہ غلام رسول مہر ص ۲۸۰

مظالم برپا سہ، اس کا انداز باقی عبارت سے جدا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فقرہ بڑھا دیا گیا ہے۔

ہماری اس رائے کی کہ ان عبارتوں میں تحریف کی گئی ہے تائید مہر صاحب نے بھی کی ہے۔ جہاں نصاریٰ کا لفظ تھا وہاں سکھ یا دراز مو رکھ دیا گیا ہے۔ اس تحریف کی دو ایک مثالیں ملاحظہ ہوں(۳۷)۔

سوانح احمدی :

۱ ۔ رنجیت سنگھ کی طرح ہمیں طاقت اور وسائل میسر نہیں مگر تم سے کس نے کہا کہ امام اسی قلیل طاقت سے لاہور پر چڑھائی کا ارادہ رکھتا ہے ۔ ص ۹۰ - ۲۸۹

۲ ۔ میرا اصل مقصد پنجاب کے سکھوں کے خلاف جہاد قائم کرنا ہے افغانستان اور یاغستان کے ملکوں میں بیٹھے رہنا نہیں ۔ ص ۲۳۸ ۔

۳ ۔ دراز مو کفار (سکھ) جو پنجاب پر مسلط ہیں وہ بڑے کار آزمودہ چالاک اور دغاباز ہیں ۔ ص ۲٦۱ ۔

۴ ۔ بدنہاد سکھ اور بدبخت مشرکین نے دریائے سندھ کے سواحل سے دارالحکومت دھلی تک ھندوستان کے مغربی حصوں پر تسلط جما رکھا ہے۔ ص ۲۵۷ ۔

نسخہ مخطوطہ پٹنہ یونیورسٹی(۳۸) :

۱ ۔ رنجیت سنگھ اور کمپنی جیسی طاقت اور وسائل ہمیں میسر نہیں مگر تم سے کس نے کہا کہ امام اس قلیل طاقت سے لاہور اور کلکتہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ص ۹۹ ۔

۲ ۔ میرا اصل مقصد جہاد قائم کرنا اور جنگ کو ھندوستان میں جاری

---

(۳۷) مہر سید احمد شہید حصہ اول ص ۲۵۰

(۳۸) قیام‌الدین احمد ترجمہ محمد مسلم عظیم آبادی، ہندوستان میں وہابی تحریک [illegible]

پر کھنا ہے اور سرزمین خراسان میں بیٹھے رہنا نہیں ہے۔ص ۱۲۰

۲۔ عیسائی کفار جنہوں نے ہندوستان پر قبضہ کر رکھا ہے بڑے عیار اور دغاباز ہیں۔

۳۔ بدنہاد عیسائیوں اور بد بخت مشرکین نے ہندوستان کے بہت سے حصوں پر دریائے سندھ کے ساحل سے سمندر کے سواحل تک جو چھ مہینوں کی مسافت ہے تسلط جما رکھا ہے ص ۹۳۔

اس تحریک سے انگریزوں کا جو رویہ رہا ہے وہ ڈپلومیسی اور شاطرانہ تدبر کی بہترین مثال ہے۔ جب تک اس تحریک کا تعلق انگریزی مقبوضات سے صرف اتنا رہا کہ رنگروٹ بھرتی کئے جائیں اور سرمایہ فراہم کیا جائے تو انگریز حکام نے اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی بلکہ بعض انگریزوں نے اس کی حمایت کی۔ سید صاحب کے قافلہ کی دعوت کرنے والوں میں اور لوگوں کے ساتھ ایک انگریز کا بھی نام آتا ہے جس نے پورے قافلے کے لئے دعوت کا انتظام کیا۔ اس کے علاوہ کلکتہ میں شاہ اسماعیل کے وعظ میں جہاں ہندو مسلمان کا اجتماع ہوتا وہاں انگریز اور ان کی میمیں بھی شریک ہوتی تھیں۔

سر سید احمد خان نے انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان شکوک کو رفع کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا (۳۹) ہے "ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کے لئے جمع ہوگیا تو صاحب کمشنر نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔ گورنمنٹ نے صاف لکھا کہ تم کو دست اندازی نہ کرنی چاہیئے، دہلی کے ایک مہاجن نے جہادیوں کا روپیہ غبن کیا تو ولیم فریزر کمشنر دہلی نے ڈگری دی جو وصول ہو کر سرحد پہنچی گئی۔"

---

(۳۹) سید طفیل احمد۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۹۹

اب سوال یہ ہے کہ انگریزوں نے یہ رویہ کیوں اختیار کیا۔ اس کا جواب ڈاکٹر ھنٹر کے الفاظ(۳۰) میں سنئیے، ۱۸۲۲ء سید صاحب کی تبلیغ کی طرف انگریز حکام نے کوئی توجہ نہ کی انہوں نے اپنے جاں نثار مریدوں کی همراهی میں همارے صوبہ‌جات کا دورہ کیا اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو مرید بنایا اور باقاعدہ ملکی حکومت قائم کردی۔ اس اثنا میں همارے افسر جو اپنے ارد گرد کی بہت بڑی تحریک سے بے خبر ہوکر صرف لگان جمع کرنے انصاف کے لئے عدالتیں قائم کرنے اور فوجوں کو پریڈ کرانے رہے۔ ۱۸۳۱ء میں اپنی اس بے خبری سے بری طرح جھنجوڑے گئے،، مگر ایسا نہیں انگریزوں کا یہ رویہ غفلت کی بنا پر نہیں تھا بلکہ یہ ایک سوچی سمجھی پالیسی تھی، بقول مصنف روشن مستقبل(۳۱) اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی،، مگر سرکار انگریز اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو،، اس کے علاوہ انگریزوں کا یہ بھی خیال(۳۲) تھا کہ اس طرح :

۱- ایک مخالف عنصر (مسلمان) انگریزی مقبوضات سے خارج ہورہا تھا۔

۲- یہ بھی ممکن تھا کہ میر جعفر اور میر صادق پیدا کردئے جائیں جو اس تحریک کو مفلوج کردیں۔

۳- یہ بھی ممکن تھا کہ زمان شاہ کی طرح سید صاحب کی طاقت اندرونی بغاوت سے ختم کردی جائے۔

۴- انگریزی حکومت تک پہنچنے میں سکھوں کا علاقہ حائل تھا جس طرح روھیلوں کو شجاع الدولہ کے ذریعے سلطان ٹیپو کو مرھٹوں کے ذریعے

(۳۰) ھنٹر ھمارے ھندوستانی مسلمان ص ۶۳
(۳۱) سید طفیل احمد منگلوری- مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۹۹
(۳۲) سید محمد میاں- علمائے ھند کا شاندار ماضی ص ۲۳۳

شکست دی اس طرح اس طاقت کو بھی سکھوں کے ھاتھوں ختم کرنا مقصود تھا۔

• ۔ لہذا ان امکانات کی موجودگی میں یہ ناعاقبت اندیشی نہیں بلکہ عین تدبر تھا کہ اپنی مقبوضات میں اس تحریک کی طرف قطعاً التفات نہ کیا جائے۔ تاکہ رواداری اور عالی حوصلگی کی نمائش ھوجائے۔ ملک میں بدامنی بھی نہ پھیلے اور کوئی طاقت خرچ کئے بغیر دشمن کا خاتمہ ھوجائے اور پھر "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" تو انگریزوں کا پرانا حربہ ہے لہذا ھم اس نتیجہ پر پہنچنے میں حق بجانب ھیں کہ سکھوں کے ساتھ جو تصادم ھوا وہ محض ھنگامی حالات کا تقاضا تھا۔ تحریک کا اصلی مد مقابل انگریز تھا اور سید صاحب کی اس جدو جہد کا منشا صرف یہ تھا کہ وطن عزیز کو انگریزی اقتدار کے شکنجہ سے نجات دلائی جائے۔